۱

شعبۂ نشر و اشاعت مجلس تحفظ فلسطین ضلع لکھنؤ کے سلسلۂ اشاعت کا آٹھواں نمبر

فلسطین
اور
انگریز

رشحۂ قلم علامۂ شرق اکبر امیر البیان امیر شکیب ارسلان مقیم جنیوا

مترجمہ

مولانا سید احمد حسنی

مشتاق احمد سکریٹری مجلس تحفظ فلسطین نے

مطبع عمدۃ المطابع برقی پریس محمد علی لین امین آباد لکھنؤ

سے چھپوا کر شائع کیا

انگریزوں کی اسلام دشمنی

برطانوی سیاست کی پے درپے شکست

فلسطین کی افسوسناک صورت حالات جہاں آئے دن بیرحمی اور سفاکی سے قتل و غارتگری کا بازار گرم کیا جاتا ہے۔ مکانات ڈھا دیئے جاتے ہیں۔ مسجدیں شہید کی جاتی ہیں۔ کھیتیاں جلا کر خاکستر کر دی جاتی ہیں۔ تجارتی اور دیگر کاروبار بند کر دیئے جاتے ہیں۔ روزانہ سڑکوں پر کسی نہ کسی مقتول کا سر کٹا ہوا پڑا نظر آتا ہے تو دوسری طرف اس کا کوئی دوسرا عضو ہاتھ یا پیر خون آلود پڑا ہوا ملتا ہے۔ غرض جہاں یہ اور اسکے علاوہ دوسرے المناک خونیں مناظر سامنے آتے رہتے ہیں وہ سرزمین اس وقت پنجہ میں ہے انگریز کے اور یہ سب کارنامے ہیں اسی متمدن قوم کے۔ اور موجودہ فلسطین کے آلام و مصائب کی تنہا ذمہ دار یہی قوم ہے جس نے جنگ عظیم کے دوران میں یہودیوں سے فلسطین میں انکا وطن قومی قائم کر دینے کا وعدہ کیا۔ اس وقت انگریز کو اپنی ساتھی عربوں کی وفاداری پر پورا بھروسہ تھا اور وہ بخوبی یہ سمجھتا تھا کہ عرب کبھی اسکے کسی فرمان سے سرتابی نہیں کریں گے۔ اور اسمیں شک نہیں کہ بعض سرکردہ اور نمایاں حیثیت والے عرب بھی اس وقت اسی خیال خام میں مست تھے۔ انکے خیال میں ان کی قوم کو راہ ترقی پر گامزن کرنے والا، سیاسی حیثیت اور دنیاوی اقتدار بخشنے والا۔ ان کے ملک میں علوم و فنون کے چشمے بہانے والا اگر کوئی تھا دنیا میں تو وہ صرف انگریز ہی تھا، یہی ان فریب خوردہ عربوں کا تخیل تھا۔ وہ ہر ممکن طریقہ سے اپنی قوم کو ہم خیال بنانیکی فکر میں رہتے تھے، منبروں پر اور اسٹیجوں پر کھڑے ہو کر وہ یہی راگ گاتے تھے اور اپنے ہم قوموں سے پکار پکار کر کہا کرتے تھے کہ بھائیو! انگریز کی نافرمانی گناہ عظیم ہے! اب ان میں سے چند تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچ چکے اور چند بقید حیات ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اپنے خیال خام کا انجام! انہیں اب صاف نظر آ رہا ہے کہ انکا سابقہ خیال ایک فریب تھا جس کے دام میں وہ گرفتار ہو گئے تھے۔ نادانی سے وہ انگریز کے دوست ہو گئے تھے۔ حالانکہ یہ قوم عرب کیا، مشرق کی کسی قوم پر سچے دل سے مہربان ہوا ہی نہیں سکتی۔ تمام مسلمان اگر کسی حصۂ زمین سے جلاوطن کر دیئے جائیں تب یہ قوم اس ملک پر مہربان ہو سکتی ہے۔ لیکن مسلمان کے رہتے ہوئے کوئی ملک اس کی مہربانی حاصل نہیں کر سکتا۔ بلاشبہ عربوں کی بڑی جماعت فلسطین پر انگریزی قبضہ کی ذمہ دار ہے۔ اس جماعت کا خیال تھا کہ صرف انگریز کو یہ حق ہے کہ وہ عربوں کے جان و مال پر حکومت کرے۔ انکو اپنا زبردست بنا کر جس راستہ پر چاہے چلائے۔ انگریز نے یہودیوں سے فلسطین میں

انکا قومی وطن بنا دینے کا وعدہ کرتا ہے تو عربوں کیلیے سوائے سر اطاعت خم کرنیکے کوئی چارۂ کار نہیں۔ اور اگر بفرضِ محال کوئی عرب جرأت و ہمت سے کام لیکر انگریز کی اس سیاست کی مخالفت پر تل جائے تو اس عرب کی جرأت و ہمت کو توڑ کر خاک میں ملانے کیلیے انگریز کے پاس بہت سے طریقے ہیں۔ اگر کوئی طریقہ کارگر نہ ہو تو انگریز کو اس کا سر اڑا دینا کیا مشکل ہے؟

جنگِ عظیم کا وہ زمانہ جسمیں عرب انگریز کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔ اور عرب اپنے ہم قوموں کو سمجھایا کرتے تھے کہ برطانیہ جیسی شریف النفس، بات کی سچی، وفا کی دیوی حکومت کبھی بدعہدی نہیں کر سکتی۔ اسی زمانے میں حکومت برطانیہ نے مگر یہودیوں سے وہ وعدہ کیا جس کو "وعدہ بالفور" کے نام سے سیاسی دنیا میں شہرت حاصل ہے۔ جنگ عظیم کے ختم ہوتے ہی انگریز خفیہ اور پوشیدہ طریقہ سے آہستہ آہستہ اپنے وعدے کو پورا کرنے میں لگ گئے۔ اور تین چار سال قبل تو علی الاعلان یہودیوں کو فلسطین میں داخلہ کی باضابطہ اجازت دیدی گئی۔ تب ان فریب خوردہ عربوں کو علم ہوا کہ فلسطین میں یہودی رہے گا، اسی کی حکومت ہوگی اور سارے ملک سے چن چن کر ایک ایک عرب کو ملک بدر کر دیا جائیگا۔ اگر کسی عرب کو اپنا ملک پیارا ہے تو کرے اپنا مذہب تبدیل! یہودیت اختیار کرے اور رہے۔ برطانیہ نے فلسطین کے متعلق اپنی سیاست بہت چھپائی اور حتی الوسع پوشیدہ رکھی لیکن جب فلسطین میں یہودی اس کثرت سے بیرونی ممالک سے آگئے کہ چند سالوں میں انکی اکثریت ہو جانیکا ملک میں شبہ ہو گیا۔ تب صاف طور پر اپنا مدعا ظاہر کر دیا۔ اور خیال یہ تھا کہ ہماری اس سیاست کا علم عربوں کو اچانک ہوگا، لہذا کانوں میں یہ آواز آتے ہی ان کی ہمتیں جواب دیدیں گی اور سراسیمہ ہو کر ملک کو خالی کرتے ہی بنے گا،

لیکن الحمدللہ برطانیہ کا خیال خام نکلا۔ ادھر انگریز نے اپنی یہود نوازی پالیسی کا اعلان کیا ادھر ہر عرب کے منہ سے نکلا نہیں۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم اپنے آبائی ملک کو خیرباد کہدیں اور اسے سپرد کر دیں [illegible] ہے اگر ہمارے جسم میں ایک رگ بھی جوش مارتی ہوگی تو جیتے جی تو اپنے ملک سے نکلنے کے نہیں۔ اسکے بعد عرب صاف طور پر انگریزی سیاست کے مخالف ہوگئے۔ برطانوی سیاست داں یہ سمجھے کہ یہ جذبۂ مخالفت پیدا کیا ہوا ہے۔ چند سرکردہ رہنماؤں کا جنہیں پہلا نام مفتی اعظم امین الحسینی کا تھا لہذا اس جذبۂ مخالفت کی بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھانے کی یہ تدبیر عمل میں لائی گئی کہ مختلف طریقوں سے مشتبہ رہنماؤں کی زبان چپ کر دی گئی لیکن عبث! کوشش ناکام ہوئی۔ مدبر نے پکڑ کر منہ دیا اور عرب اب بھی یہی پکار رہے ہیں کہ یہودیوں کا فلسطین پر قبضہ ناممکن ہے محال ہے۔ ہم اپنی جان و مال ملک پر نچھاور کر دینگے لیکن اپنی قومی و ملی عزت و ناموس پر بٹہ نہیں لگنے دینگے۔ اور یہی نہیں کہ یہودیوں سے ہی اس کا وجود مٹا دینگے۔ آفریں ہے عربوں پر کہ انھوں نے اپنی زبان سے یہ لفظ ادا کیے تو کچھ کر بھی دکھایا۔ اپنے ملک کو وہ انگریز اور اس کے دوستوں سے پاک کر رہے ہیں اور برابر یہ عمل جاری۔

رکھیں گے۔ حتیٰ کہ اپنے ملک کے وہی مختارِ کل بن جائیں۔

اب جبکہ عربوں کو چپ کرنے کی انگریزوں کی ہر کوشش ناکام ہوگئی تو پھر انھوں نے ڈرانے دھمکانے مارپیٹ سزاؤں اور قتل و غارت گری سے کام نکالنا چاہا! لیکن یہ بھی چنداں مفید و کارگر نہیں ثابت ہوئی اور ہر عرب برابر یہی کہتا رہا کہ بیشک مفتی اعظم ہمارے بڑے رہنما تھے انھوں نے ہی ہمیں یہ سمجھایا تھا لیکن اب اگر وہ ہم میں نہ بھی رہیں تب بھی نہ کسی دوسرے مفتی میں یہ قوت و طاقت ہے نہ کسی اور مولوی، عالم، فقیہ یا ملا میں کہ وہ ہمارے پائے استقامت کو ڈگمگا دے فلسطین میں یہودی وطن قومی کی مخالفت ہم میں سے ہر شخص کا مذہبی اور قومی فریضہ ہے اور اگر جان میں جان ہے تو یہ فرض ہر ممکن طریقے سے ادا کیا ہی جائے گا۔ کوئی صورت نہیں کہ ہم یہودیوں کو اپنا پورا ملک دے دیں یا آدھا یا ایک تہائی۔ ملک سارا ہمارا ہے اور ہمارا ہی رہے گا۔

برطانوی اخبارات اور یہودی سیاست داں اپنی لاعلمی اور نادانی میں یہ سمجھتے تھے کہ مفتی اعظم اوقاف کے ناظم اعلیٰ ہیں اور اس کی تمام آمدنی شورش پسند عربوں کو ورغلانے میں صرف کرتے ہیں لہٰذا پہلے مفتی کو اوقاف سے ہٹایا جائے اور تمام اموال پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ یہ بھی کیا گیا۔ اسلامی اوقاف پر انگریزی قبضہ بھی ہوگیا۔ سرکردہ رہنماؤں کو بحر محیط کے دور دراز جزیروں میں بھگا دیا گیا۔ مفتی اعظم راتوں رات بیت المقدس سے ایسے خفیہ طریقہ سے نکلے کہ انگریزی جاسوس خواب غفلت میں پڑے سوتے ہی رہے اور وہ شام کے پایۂ تخت بیروت میں جا نمودار ہوئے۔ لیکن کیا ان تمام واقعات کے بعد شورش میں کچھ فرق ہوا؟ عربوں کی ہمتوں نے جواب دیا؟ اپنے ارادوں کو انھوں نے بدلا؟ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی برطانوی سیاست پر مات کھائی ہوئی اس حکومت کی آرزو بھی بر نہیں آئی۔ شورش پہلے سے زیادہ بھڑک اٹھی۔ اب انگلستان سے پے در پے فوجیں پر فوجیں [illegible] جا رہی ہیں۔ جو پر امن شہریوں کو بے دریغ قتل کر [illegible] ہیں۔ مکانوں کو ڈائنامیٹ لگا کر اڑا رہی ہیں۔ معززین کو ذلت آمیز سزائیں دی جا رہی ہیں اور مختصراً اس عالم کے دورِ وحشت کو زندہ کیا جا رہا ہے۔ اب عرب بخوبی سمجھ گیا ہے کہ شرافت اور عزتِ نفس زندگی سے زیادہ قیمتی شے ہے۔ لہٰذا وہ بے دھڑک میدان جہاد میں انگریز کے خلاف اترتا ہے لڑتا ہے مارتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔ جب انگریز اچھی طرح سے فلسطینی شورش کو دابنے میں ناکام ہو گئے۔ تب یورپ کی دوسری برابر کی حکومتوں نے ان پر ذلت آمیز نگاہیں اٹھائیں انھیں شرم و حجاب دامنگیر ہوئی تو اپنی خفت مٹانے کے لیے کوئی ایک ڈھونگ رچایا۔ عالم میں مشہور کرنا شروع کر دیا کہ اعرابِ فلسطین کسی دوسری حکومت کے بل بوتے پر یہ زور شور دکھا رہے ہیں۔ کبھی اس حکومت کا نام جرمنی بتایا کبھی اٹلی کا نام لے دیا۔ غرض پریشانی اور خفت کے عالم میں جو حکومت انھیں

امداد کرنے کی اپیل دیکھی انھوں نے فوراً اسی کا نام لے دیا کہ فلسطین کے شورش پسندوں کو اسی
حکومت کی طرف سے خفیہ امداد مل رہی ہے۔ زمانے کو گزرتے دیر نہیں لگتی۔ خود برطانیہ اور
اطالیہ کے معاہدہ نے ان کے غلط اور جھوٹے پروپیگنڈے کی تردید کر دی۔ اطالوی حکومت نے
ان کی دوستی کا اس طرح ثبوت دیا کہ باری کا ریڈیو اسٹیشن جو برطانیہ کے خلاف پروپیگنڈا کیا کرتا
تھا بند کر دیا۔ اور برطانیہ سے کہا کہ حبشہ پر ہمارا قبضہ اور تسلط مانو تو ہم فلسطین کے معاملہ میں بولنا
چھوڑ دیں۔ برطانیہ نے اطالیہ کی ہر بات کو مانا چنانچہ اطالیہ نے اعلان کر دیا کہ ہمیں فلسطین سے
کوئی واسطہ نہیں! رہا جرمنی کی امداد کا مسئلہ تو یہ محض ایک دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ انگریز ثبوت
پیش کریں کہ جرمنی نے ہتھیار یا سامان رسد یا اور دیگر جنگی سامان بھیجا ہو۔ لیکن ثبوت کیسے
پیش ہو سکیں یہاں تو ڈھول میں پول ہے۔ اب دنیا میں انگریز کا نہ سیاسی اقتدار رہا ہے نہ تجارتی
یہ ہر جگہ دھوکہ، مکر، فریب اور دغا سے کام نکالنا چاہتے ہیں لیکن دنیا اب پہلے جیسی بھولی
رہی نہیں۔ ان کی ہر ہر چال کو سمجھنے والے لوگ موجود ہیں۔

حیفا میں وہ مشہور بم پھینکا گیا جس سے تیس عربوں کی جانیں گئیں۔ حکومت نے
اپنے خبرناموں میں پے در پے شائع کرنا شروع کر دیا کہ بم پھینکنے والے کی بڑی شدومد سے تلاش
کی جا رہی ہے، گویا اس میں ابھی شک تھا کہ بم پھینکنے والا یہودی نہیں۔ اب کونسا وہ دانائے جہاندیدہ
ہوگا جو اس بات کو مان جوں و چرا مان لے گا کہ ایک عرب سوق العربی مارکیٹ میں کھڑے ہو کر ایک بم
پھینکتا ہے جس سے اسی کے ہم قوم تقریباً تیس ۳۰ تو جان سے جاتے ہیں باقی ساٹھ ستر زخمی ہوتے ہیں
حکومت کو یہ تک منظور نہ ہوا کہ بم پھینکنے والے کو یہودی مان لے! حالانکہ بدیہی تھا۔ اس واقعہ
کے بعد حکومت نے عربوں کے ساتھ اپنی ہمدردی کا ثبوت دیا اس طرح کہ فوراً تمام عربی محلوں کو
گورہ پلٹن نے گھیر لیا۔ غرض پلٹن کی حفاظت مقصود نہ تھی بلکہ یہ ڈر تھا کہ عرب جوش انتقام میں
یہودی محلوں پر حملہ نہ کر دیں۔ مقصد تھا یہودیوں کی حفاظت۔ کیونکہ عربوں کی جانیں جاتی ہیں
تو جائیں یہودی خداوند بچے رہیں۔

کچھ ہی دنوں بعد بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ سے فریضۂ جمعہ ادا کر کے نکلنے والے بے خبر
نمازیوں پر ایک دوسرا بم گرتا ہے جس کے پھٹتے ہی سڑک بے گناہ عربوں کی لاشوں سے پٹ جاتی ہے
گلیوں میں بجائے پانی کے انسانی خون رواں ہو جاتا ہے۔ عین اسی وقت حکومت کے کارندے
اس واقعہ کے متعلق خبرنامہ اس طرح شائع کرتے ہیں کہ بم کا واقعہ ایک اتفاقی حادثہ تھا۔
حفظ ماتقدم کے لیے مسجد اقصیٰ کی حفاظت کے لیے ایک پلٹن سڑک پر مارچ کرتی ہوئی جا رہی تھی
جو عربوں نے مزاحمت کی۔ اسی حالت میں بم پھٹ گیا۔ لیکن ان کے مقابلے میں کون

دُنیا والوں سے یہ کہے کہ اگر عربوں کو بلٹن پر حملہ کرنا ہی تھا تو کیا اس کام کے لیے صرف مسجد اقصیٰ کا بازار ہی رہ گیا تھا جہاں چپہ چپہ پر عربی مکانات و دُکانیں سجی ہوئی ہیں اور جہاں ہر راہ گیر عرب ہی ہوتا ہے۔ لیکن انگریز بات کو کچھ کا کچھ بتانے میں ذرا شرم نہیں آتی۔

حیفا میں پھر ایک بم پھٹا جس نے تقریباً ساٹھ عربوں کو جام شہادت پلایا۔ حکومت نے بم کے ٹکڑے جمع کیے پھر اُن کی جانچ کی گئی، اور بڑے غور و فکر کے بعد اعلان کیا کہ بم بہت ہی اعلیٰ بم سازی کا نمونہ تھا جو کسی صورت میں فلسطین میں نہیں بن سکتا لیکن حکومت سے ذرا دور آگے اتنا نہ کہا گیا کہ وہ فلسطین کی دیسی ساخت کا نہ تھا یورپ کا بنا ہوا تھا۔ کیونکہ اس حقیقت کے اظہار سے معاملہ صاف ہو جاتا اور ہر ذی فہم فوراً یہودیوں کو اس حادثہ کا ملزم ٹھہراتا اور یہی حکومت کو گوارا نہ تھا۔ لیکن خوب یاد رکھیں انگریز کہ جس طرح ان بموں سے پرامن عربوں کے جسم کے ٹکڑے فضائے آسمانی میں اڑے ہیں بعینہٖ اسی طرح ان کی سیاست پرزے پرزے ہو کر ایسی پراگندہ و منتشر ہو گی کہ پھر شیرازہ بندی محال ہو جائے گا۔ ان بموں کی آواز صرف عربی ممالک میں ہی نہیں محدود رہے گی بلکہ تمام عالم اسلامی میں اس کی آواز پہنچے گی۔

انگریزوں اور یہودیوں کا یہ دعویٰ مطلق سودمند نہیں کہ یہ بم بدلہ ہیں ان بموں کے جو عربوں نے پھینکے۔ لیکن کیا عرب اور یہود اس معاملہ میں برابر ہیں؟ عرب اپنے وطن کی حفاظت میں سب کچھ کر رہے ہیں اور یہودی اتنی زیادتی اور زعم باطل کی حمایت میں انگریز کے سوا دنیا کی تمام اقوام فلسطین کے موجودہ مسئلہ میں یہودیوں کی زیادتی تسلیم کرتی ہیں۔ اور تول میں حق اور باطل تک برابر ہوتے ہیں علاوہ ازیں عرب ہرگز چھپ کر دھوکا اور فریب سے غیر مسلح مجمعوں پر اچانک بم نہیں برساتے۔ انھیں اگر اپنے دشمنوں سے جنگ کرنا ہوتی ہے تو علی الاعلان میدان میں آتے ہیں۔ اپنے حریف کو للکار کر اس کے مقابلے پر آتے ہیں چھپ کر بیٹھنا پھر نہتے مجمع پر اچانک بم گرا دینا عرب کا کام نہیں۔ وہ دغابازی اور فریب سے ناآشنا ہے۔ لیکن مشیت الٰہی ہوئی تو یہی آدم خور بم برطانیہ کی یہود نواز پالیسی کے ناکام بنانے کا سب سے بڑا اصلی سبب بنیں گے۔ وہی ناکامی جس سے جنگ عظیم کے بعد سے برطانیہ کو موقع موقع سامنا پڑا ہے انشاء اللہ اسی ناکامی کا منہ فلسطین میں اس قوم کو دیکھنا پڑے گا

ذرا نظر ڈالیے ایران میں برطانوی سیاست پر جب کہ روس کے ساتھ ساز باز کر کے ایران کا جنوبی حصہ انگریزوں نے داب لینا چاہا اور اپنے خیال میں وہ یہ بھی سمجھ ہی چکے تھے کہ اب یہ بھی ہماری نوآبادیات میں داخل ہوا۔ لیکن اچانک جنگ بھڑکتی ہے اور انگریز بادِ بردہ کی اُس حصہ ملک سے ایسی ذلت سے نکالے جاتے ہیں کہ اب انکا وہاں نام و نشان تک نہیں

آج ایران آزادی کے وہ مزے لوٹ رہا ہے جو انگریزوں کے عہد میں نہیں تھے۔

ترکی کے مسئلہ میں بھی برطانوی سیاست پر غور کیجیے۔ ورسائل کے معاہدہ میں انگریزوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ آزاد ممالک کی صف سے ترکی کا کلیۃً اخراج کر دیا جائے۔ اس موقع پر کئی حکومتوں نے برطانیہ کی خدمت میں پرمشورہ پیش کیا کہ اس قسم کی جسارت سودمند نہیں ہوتی لیکن غرور اور تکبر کے نشے میں بدمست انگریزوں نے کسی کی نہ سنی اور ترکوں کا نام صفحۂ ہستی سے مٹانے کا ارادہ کر لیا، لیکن نتیجہ کیا ہوا۔ آج ترکی حکومت پہلے سے بھی زیادہ دولت اور طاقت میں بڑھ گئی اور برطانیہ کو سوائے ذلت اور رسوائی کے کچھ نہ ملا اور مجبوراً ہار کر پھر ترکوں سے معاہدہ کرتے ہی بنا۔ انگریزوں ہی پر ہے ذمہ داری ان تیرہ ہزار یونانیوں کے قتل کی جنھیں بھڑکا کر برطانیہ نے ترکوں کے خلاف میدان جنگ میں اتارا تھا۔

ایک نظر عراق میں برطانوی سیاست پر بھی ڈالیے جب کہ برطانوی سپاہیوں نے عراق کو بھی ہندوستان کی طرح ایک نوآبادی قرار دیا اور آزادی کے لیے عراقیوں کی ہر بات کو سننے تک سے انکار کر دیا۔ جس پر وہ مشہور عالم فتنہ بپا ہوا جس میں انگریزوں نے عراقیوں کے ہاتھ سے بڑے بڑے تلخ تجربے اٹھائے بالآخر کامل آزادی دے کر یہ قوم عراق سے رخصت ہوئی۔

اب آئرلینڈ پر بھی غور کیجیے۔ برطانیہ کے نزدیک آئرلینڈ کی آزادی خواب و خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی لیکن آج خود برطانیہ اس ملک کو اپنے ہاتھ سے آزادی کامل دے کر وہاں سے بھی رخصت ہوتی ہے۔

ہندوستان میں بھی انگریزی سیاست کا یہی حشر ہوا، یا تو ہندوستانیوں کو حکومت کا ادنیٰ سے ادنیٰ محکمہ بھی سپرد کرنا انھیں گوارا نہ تھا یا اب پے درپے ہندوستانیوں کو حکومت میں داخل کر رہے ہیں۔ خود اپنی طرف سے بعض مراعات اہل ملک کو پیش کرتے ہیں۔ جنھیں بعض اوقات خود ہندوستانی نامنظور کر دیتے ہیں اور درجہ نوآبادیات سے کم درجے کی ہر پیشکش مسترد کر دیتے ہیں اور بعض ہندوستانی تو کامل آزادی کے علاوہ اور کچھ لینے پر راضی ہی نہیں ہوتے۔

حبشہ میں برطانوی سیاست پر ایسا زوردار چپت پڑا ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں ملنا ناممکن ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حبشہ پر اٹلی کا قبضہ باضابطہ ماننا پڑا۔ حالانکہ خود برطانیہ نے ہی شاہنشاہ حبش کو اٹلی کے خلاف بھڑکایا تھا۔ اب اس ذلت اور رسوائی سے بڑھ کر اور کون سا درجہ ہے۔

مصر میں بھی برطانوی سیاست قابل غور ہے۔ پورے چون ۵۴ سال سے مصری

انگریزوں سے آزادی مانگ رہے تھے لیکن انگریز انکار ہی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آخر میں
حبش اور اٹلی کی جنگ کے دوران میں مصریوں نے پھر شورش اٹھائی تو برطانیہ نے نہایت
ذلت آمیز جھڑکی دی۔ لیکن اس کے فوراً ہی بعد رویہ بدلا۔ ڈر یہ لگا کہ کہیں ہم سے کٹ کر مصر
اطالوی محاذ کی امداد نہ کرنے لگیں۔ اب انگریز نے مصر کو آزادی دی ہے۔ اور بڑی محبت سے
مصر سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اب ہمیں فوجیں رکھنا روا ہے۔ اب تم جنگ کی تیاریاں کر سکتے ہو
جرمنی کے ساتھ بھی انگریز کا معاملہ دیکھیے۔ برطانوی مدبرین نے تہیہ کر لیا تھا
کہ جرمنی کو دوسرے درجے کی حکومت بنا کر چھوڑیں اور جیسا جی میں آئے ویسا اس کے ساتھ
سلوک کریں لیکن ہوا کیا؟ جرمنی نے ترقی کی اور آنی کر پہلے سے کہیں زیادہ طاقت ور ہو گئی
ابھی اس نے آسٹریا پر بھی قبضہ کر لیا۔ یہ وہ فائدہ ہے کہ اگر جرمنی حکومت جنگ عظیم میں شکست خوردہ
نہ ہوتی اور مظفر و منصور اور فتحمند ہوتی تو یہ ناممکن تھا لیکن اب شکست کھانے پر یہ فائدہ حاصل ہوئے
اب اس وقت حکومت برطانیہ جاپان پر دانت پیس پیس کر رہتی ہے کیونکہ اس
حکومت کے چین میں بہت سے کاروبار جاری ہیں جو جاپانی قبضہ کے بعد محال ہو جائینگے
لیکن بولتی اس لیے نہیں کہ پھر خطرہ ہے ہندستان کی طرف سے۔ اور اسی لیے چپ ہے۔
غرض جنگ عظیم کے بعد سے برطانوی سیاست ایک کڑی ہے مسلسل اور پیہم
شکستوں کی۔ اور وجہ اسکی صرف یہ ہے کہ برطانوی سیاست کی بنیاد ہے ظلم و زیادتی پر
قوموں کے حقوق غصب کرنے پر۔ وعدوں کا پاس و لحاظ نہ کرنے پر۔ آپس میں دو قوموں میں
پھوٹ ڈلوانے پر۔ پُرامن مقامات میں فتنے پیدا کرنے پر۔ اور یہ سب محض اپنی نفسانی
خواہشات کے بجھانے کے لیے۔
فلسطین میں اگر اللہ نے چاہا تو برطانیہ کی یہ و دی نمائشی بھی ایک کڑی ہوگی
اس کی پیہم اور مسلسل گزشتہ سیاسی شکستوں کی جو نتیجہ میں اس بدعہد قوم کیلئے سب سے زیادہ
مضرت رساں ہو گی۔
"الشباب" قاہرہ (مصر)

اشاعت
۲۴ر اگست
۱۹۳۸ء